© rasailojaraid.com

رکھا جا سکتا ہے مگر اُس میں ضروری اصلاحات اور مناسب اضافہ کا ہونا ناگزیر ہوگا:۔

(۱) اس ایکٹ میں اُن ابوابِ فقہ سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے جن کو انگریزی قوانین نے شریعت اسلامی سے عملاً علٰحدہ کر دیا ہے اور یہ نقص اُسی وقت دور ہو سکتا ہے جبکہ جملہ امور کی صراحت پورے طور پر کر دی جائے۔ مثلاً جہاں ہبہ، طلاق، نکاح کا ذکر ہے وہاں بیع و رہن کا تذکرہ بھی واضح طور پر ہو جائے۔

(۲) اس ایکٹ میں اُن قوانین کی تنسیخ نہیں کی گئی ہے جو مسلمانوں پر خلاف شرع احکام عائد کرنے کا باعث ہیں۔ دراصل ضرورت اس امر کی تھی کہ ادھر شریعت بل میں معاملات کی تمام شقیں مندرج کی جاتیں۔ اور اُدھر قانون انتقالِ جائداد جیسے قوانین میں مسلمانوں کے لیے بیع و رہن وغیرہ معاملات کے بارے میں اس قسم کے مستثنیات داخل کر دیے جاتے جیسا کہ ہبہ کے بابت اوپر مذکور ہوا۔ قانونِ انتقالِ جائداد میں ایک دفعہ کسی مناسب موقع پر اضافہ کر دینے سے یہ مقصد بہ سہولت حاصل ہو سکتا ہے۔ اور پھر شریعت بل کی تکمیل خاطر خواہ نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

(۳) اس ایکٹ میں دفعہ ۲ کے الفاظ کا پیرایہ ایسا نہیں ہے جس سے غلط نظائر کا تدارک ممکن ہو۔ یہ مرض اس قدر مزمن اور کہنہ ہو چکا ہے کہ اُس کا مداوا بجز قانون میں صراحتہً تبدیلی کے دوسرے طور پر نہیں ہو سکتا۔ ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ ہر باب کے تحت وہ جزئیات اخذ کر لیے جائیں جہاں ہائی کورٹوں نے شریعت اسلامی کے خلاف فیصلے کیے ہیں اور پھر اُن جزئیات کو صحیح کر کے دفعات کی شکل میں شریعت بل میں اضافہ کر دیا جائے، مگر اس صورت میں طوالت اور دیگر قانونی مشکلات کا اندیشہ ہے۔ بہتر پیرایہ یہ ہو سکتا ہے کہ دفعہ ۲ سے قبل لفظ "شریعت" کی واضح تعریف کر دی جائے کہ وہ فلاں فلاں کتابوں پر مشتمل ہے تاکہ عدالت فیصلہ صادر کرنے میں اُن کُتب کی پابند ہو۔ اس میں اصل شریعت کا اثبات اور غلط نظائر کی نفی ایک ساتھ آجاتی ہے اور نہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں مسودۂ قانون کی حیثیت سے کوئی بدنمائی پائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ہر قانون کے شروع میں اُس کے مخصوص اصطلاحات کی تعریف کردی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر شریعت بل میں بھی شریعت اسلامی کی واضح تعریف درج کردی جائے تو کوئی غیر معمولی شے نہ ہوگی۔

(۴) اس ایکٹ میں یہ شرط ذرا سختی کے ساتھ عائد کی گئی ہے کہ شریعت اسلامی کا اطلاق صرف اُن معاملوں میں ہوگا جہاں فریقین مسلمان ہوں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ شریعت بل صرف مسلمانوں کے لیے ہے اور غیر مسلم کو اُس سے کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیے، مگر شرط مذکور کے الفاظ کی بدولت شریعت بل بعض نظائر کی مراعات سے بھی گرا ہوا ہے کیونکہ شفعہ کے باب میں بعض ہائی کورٹوں نے یہ طے کردیا ہے کہ اگر صرف بائع مسلمان ہو خواہ مشتری غیر مسلم ہو تب بھی مسلمان شفیع کو غیر مسلم مشتری کے مقابلہ میں قانون اسلامی کے حقوق دیے جائینگے۔ مگر شریعت بل کے موجودہ الفاظ میں اس رعایت کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ صورت مذکورہ میں ایک فریق غیر مسلم ہے، لہٰذا مسلم شفیع کو حقوق اسلامیہ کا کوئی استحقاق نہیں رہتا تو اب ہم کیا یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ شریعت بل بعض ہائی کورٹوں کی وسعت نظر کو بھی تنگی سے بدلنا چاہتا ہے۔ اگر شریعت بل کا منشا یقیناً یہ نہیں ہے تو اس بارے میں بھی الفاظ کی مناسب تبدیلی لازمی ہے تاکہ مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوسکیں:۔

ا۔ ہر مسلمان پر شریعت اسلامی کا قانون غیر مشروط طور پر عائد ہو یہاں تک کہ اگر کوئی غیر مسلم منکوحہ عورت اسلام میں داخل ہو کر مسلمان مرد سے عقد کرے تو وہ مرد کسی جرم کا مرتکب نہ قرار پائے۔

ب۔ مسلم شفیع کے ساتھ رعایت غیر مسلم مشتری کے مقابلہ میں تمام صوبوں کے لیے عام ہوجائے

ج۔ معاملات کے شقوق میں پورے غور کے ساتھ اُن اُمور کی تخصیص ہوجائے جہاں غیر مسلم محض تابع کی حیثیت رکھتا ہے اور مسلمان متبوع کی اور ہر ایسے امر میں اسلامی قانون قابل نفاذ متصور ہو۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے حق میں فرضی انتقالات عمل میں لاکر شریعت اسلامی کی قیود سے گریز کرنا چاہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہ اُس کے لیے ممکن نہ ہو یا مثلاً اگر کرشن نے زید سے جائداد خرید کی اور اُس سے قبل زید نے عمر سے بذریعہ ہبہ کے اُس کو حاصل کیا تو کرشن کے مقابلہ میں کوئی مسلمان مدعی زید اور عمر کے ہبہ کو اسلامی قانون کے بموجب معرضِ بحث میں لاسکے۔ شریعت ایکٹ کے موجودہ الفاظ اس مقصد کے منافی ہیں اور اس میں بھی وہ عدالتوں کے مروجہ دستور العمل سے بدتر ہیں جس میں یہ مقصد قریب قریب حاصل ہے۔

(۵) اس ایکٹ میں دفعہ ۵ ایک غیر ضروری شے ہے بلکہ قانون شریعت کے نفاذ میں رُکاوٹ کا سبب ہے، کیونکہ نکاح وطلاق کا شرعی قانون کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ اُس کو جب تک پورے طور پر نافذ نہ کیا جائے مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، چونکہ اس دفعہ میں مسلمان عدالت کی قید نہیں ہے جس کو مسٹر کاظمی کے طلاق بل میں رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے شریعت کا منشا، پورا ہونے کے بجائے فسخ نکاح کی غیر مشروع ڈگریاں صادر ہونا شروع ہوگئی ہیں۔ علاوہ ازیں بعض دیگر نقصانات بھی ہیں جن کی تفصیل آئندہ مناسب موقع پر بیان کیجائیگی۔

اسلامی دارالقضاء کی ضرورت اور قانونی حیثیت

ان تمہیدی مباحث پر نظر کرتے ہوئے اب ہم ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کے مسئلہ پر مجموعی حیثیت سے غور کرسکتے ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء ہے جس کے ماتحت موجودہ صوبجاتی مجالس قانون ساز کا انعقاد عمل میں آیا ہے اور آئندہ فیڈریشن کی تشکیل ہونے والی ہے۔ اس ایکٹ کے بموجب قانون سازی کے صوبجاتی، مرکزی یا آل انڈیا اور مشترکہ عنوانات جُدا جُدا ہیں بلکہ ہندوستان کی حکومت میں بہت پہلے سے اس اصول پر عملدرآمد ہورہا ہے۔ قانون شریعت کے نفاذ کا تعلق زیادہ تر مشترکہ عنوانات سے ہے گر سہل تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بیشتر مرکز میں جاری کیا جائے تاکہ ہر اصلاحی کوشش سے تمام مُلک یکساں بہرہ اندوز ہوسکے جیسا کہ شریعت بِل کے مصنف نے خیال کیا مگر اُنھوں نے یا مسٹر کاظمی نے اس ضرورت کو محسوس نہیں کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اسلامی فقہ کا ایک بڑا باب اور مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی ایک اہم شق نکاح وطلاق ایسا مسئلہ ہے جس کا حل مخصوص محکمہ کے قائم کیے بغیر نہیں ہوسکتا جس کو عام طور پر دار القضاء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عارضی اور ادھوری تدابیر اختیار کرنے سے اصل اسکیم کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور غیر مسلم اقوام کو اس شکایت کا موقع ملتا ہے کہ مسلمان آئے دن شرعی قانون کے راگ کو الاپتے رہتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہوتا ہے کہ جتنا چھانا اتنا ہی کرکرا ہوا۔ دار القضاء کے محکمہ کا انعقاد بلاشبہ ایک صوبجاتی مضمون ہے اور اُس کو مرکز سے فی نفسہ کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ مغربی ممالک میں کثرت سے ازدواجی معاملات کی مخصوص عدالتیں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ امریکہ میں میٹرومینل کورٹس (ازدواجی عدالتیں) ایک مشہور شعبہ ہے بلکہ اگر مسلمان دیگر ہندی اقوام کی اس معاملہ میں رہبری کریں تو عجب نہیں۔ ازدواجی معاملات کو طے کرنے کے لیے جُدا جُدا ہندو اور مسلم عدالتیں قائم کی جاسکتی ہیں مگر ہر دو عدالتوں کے قوانین کا جُداگانہ مرتب ہونا ضروری ہے۔ ہم دیگر اقوام سے بخوبی کہہ سکتے ہیں کہ یہ تجویز ترقی یافتہ ممالک کے اصول کے مطابق ہے اور آزادی کے دور میں ایسی تجاویز کا پیش کرنا اور اُس پر عملدرآمد کی دعوت دینا سیاسی حیثیت سے بھی ایک مستحسن فعل ہے۔ ایسی صورت میں ہم اسلام کے ازدواجی قانون کو پورے طور پر روشنی میں لاسکینگے اور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اُس کے متعدد اصول غیر اقوام کو پسندیدگی اور تقلید کی طرف مائل کرینگے ورنہ اب تک ناقص عملدرآمد ہونے کے سبب اسلام کا معاشرتی پہلو اپنے جملہ محاسن کے ساتھ جلوہ آرا نہیں ہوسکا۔

شرعی ضابطہ کی اصولی قانونی حیثیت

ہم بیان کرچکے ہیں کہ شریعت بل کے مصنف نے صرف یہ کوشش کی کہ عورتوں کو مروجہ عدالتوں میں انفساخ نکاح کے جائز حقوق مل جائیں اور مسٹر کاظمی نے ایک قدم آگے رکھ کر ایسے مقدمات کا فیصلہ مسلمان ججوں کے ہاتھ میں رکھنا چاہا تاکہ قاضی کے مسلمان ہونے کی شرعی قید بھی پوری ہو جائے مگر دونوں فاضل ممبران اسمبلی یہ محسوس کرنے سے قاصر رہے کہ نکاح وطلاق ہی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا باب ہے جس میں شرعی ضابطہ ایک اصولی قانون کی حیثیت رکھتا ہے، مثلاً مروجہ اصطلاح کے بموجب یہ اصول سے متعلق ہے کہ کوئی منکوحہ کن حالتوں میں فسخ نکاح کی مستحق ہو سکتی ہے، مگر اس قسم کے امور جیسا کہ لعان میں قسموں کا کھانا اور لعنت کرنا یا خیار کفارت، خیار البلوغ وغیرہ میں قضاء قاضی شرط ہونا، فسخ نکاح سے قبل ایک حَکَم زوجہ کے اہل سے اور دوسرا شوہر کے اہل سے کھڑا کرنا اور باہمی مصالحت کی کوشش کرنا ورنہ مجبوراً فسخ کے احکام صادر کرنا اگرچہ یہ سب عدالتی کارروائی کے ضابطہ سے متعلق ہیں مگر از روئے شرع وہ اصول ہی میں داخل ہیں اور بدوں اس ضابطہ کے برتتے ہوئے کوئی فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہو سکتا لہٰذا مرکز بھی کوئی ایسا قانون وضع کرنے سے جس کے ذریعہ سے اصول تو تسلیم ہو جائے مگر ضابطہ دیوانی (Civil Procedure Code) قانونِ شہادت (Indian Evidence-Act) اور ہندوستان کا حلف کا قانون (Indin Oaths Act) یہ سب اپنی جگہ پر رہیں اور ان پر کوئی اثر نہ ہو تو ایسی قانون سازی سے شرعی مقصد ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور غیر مسلم ممبرانِ اسمبلی جو کم از کم غیر جانبدار رہنا ہی گوارا کریں اُن کے احسان سے مفت میں مسلمانوں کو زیر بار کرنا ہے۔ ازدواجی معاملات کو مرکزی قانون سے جُدا کر کے دارالقضاء کی شکل میں ڈھال لینے سے یہ مشکل حل ہو جاتی ہے کیونکہ پھر سرکاری ضوابط میں مداخلت کی ضرورت نہیں بلکہ مجملاً یہ شرط کافی ہے کہ قاضی ہر امر میں شرعی قانون کا پابند ہوگا اور قانون کے الفاظ کے علاوہ عدالتِ قاضی کا دستور العمل (practice) قائم ہو کر پوری اعانت کا باعث ہوگا۔

شرعی قانون کی بہ دفعات تدوین اور شروح جدیدہ

اس طرح ازدواجی معاملات کو صوبجاتی انتظام میں داخل کر کے باقی جملہ ابواب مرکزی یا آل انڈیا حیثیت سے قائم رہینگے جیسا کہ شریعت ایکٹ اس وقت ہے۔ اس ایکٹ پر تنقید کے سلسلہ میں اصلاحات کا مفصل تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اس ذیل میں ایک اہم سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ اصلاحات کا مجمل پیرایہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو نذکور ہوا وہ بہتر ہے یا فقہ کی جزئیات کو مختلف عنوانات کے ماتحت منقسم کر کے دفعات کی شکل میں پیش کر کے مجالسِ قانون ساز میں منظور کرانا زیادہ موزوں ہوگا۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی پیچیدگیوں اور موجودہ سیاسی مشکلات پر نظر کرنے سے یہ فیصلہ کر لینا بہ آسانی ممکن ہے کہ قانون شریعت کو دفعات کے مسودہ کی حیثیت سے ترتیب دینا نہ صرف مضرت رساں ہوگا بلکہ بے شمار دقتوں کا باعث ہو جائیگا جو حصول مقصد کو دشوار بنا دیگی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی قانون کی مکمل اور مدلل شروح جو موجودہ ضروریات پر حاوی ہوں مرتب کرنا از حد ضروری ہے اور ان شروح میں اُن تمام جزئیات پر روشنی ڈالنا بھی لازم ہے جو مختلف ہائی کورٹوں کی نظائر سے اخذ کی جا سکتی ہیں۔ تجارتی اور کاروباری زندگی میں گوناگوں ترقیات کے باعث ایک دیانتدار سائل کے لیے دشوار اور پیچیدہ سوالات کا سامنا ہوتا ہے جس کا جواب ہائی کورٹوں نے اپنی زبان میں مختلف طور پر دیا ہے اور اُس پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ اب جبکہ ہم مسلمانوں کے لیے ایک اسلامی ماحول پیدا کرنے کے درپے ہیں، علماء کے ذمہ ہے کہ وہ اُن سوالات کا جواب واضح طور پر اصول دین کے بموجب بلا خیال تقلید و مصلحت کامل تفقہ اور تدبر سے کام لے کر شائع کر دیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہر موقع پر فقہاء سلف کی مستند عبارات کو درج کر دیا جائے یا اگر کافی ہو تو محض حوالہ دے دیا جائے۔ اصول فقہ اور استنباط کے طریقے بھی مدلل درج کیے جائیں، نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے و تبیع تلامذہ کے مابین یا موخر الذکر اور اول الذکر کے درمیان جن مسائل پر اختلاف پایا جاتا ہے اُس کا آخری نتیجہ بھی واضح کر دیا جائے اِن اختلافات کے سلسلہ میں کسی امر میں جواز کی جس قدر صورتیں برآمد ہو سکتی ہیں اور وہ مسلم ہوں دکھادی جائیں۔ علاوہ ازیں جن اُمور میں متاخرین حنفیہ نے دیگر ائمہ کے مذاہب کو اختیار کرنا روا رکھا ہے اور فتوی ان دیگر اقوال کے مطابق صادر ہوتا ہے وہ بھی درج کر دیے جائیں۔ اِن شروح کا ایک اہم باب عدالتی ضابطہ اور قانون شہادت ہے جس میں انتہائی دقت نظر سے کام لینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا۔ اس میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک کے احکام یا دیگر متقی مسلمان حکمرانوں کے طریقے اصل رہبر ثابت ہونگے۔ کارروائی کے ضابطہ میں پیچیدہ قواعد نامناسب ہیں اور ہر حال میں سادگی، انصاف اور سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک سُتھرا بلکہ دلپذیر انداز پیدا کرنا ممکن ہوگا۔ اس کام کی ابتدا، انگریزی ضابطہ دیوانی اور قانون شہادت سے اس طرح پر کیجا سکتی ہے کہ اُن کے غیر ضروری ابواب کو مطلقاً متروک کر دیا جائے اور مفید عنوانات کے ماتحت شرعی قواعد کی تالیف کرلی جائے۔ انگریزی قانون شہادت زیادہ تر اُمور دنیاوی کی نوعیت رکھتا ہے اس کا قلیل حصہ جو شرع شریف کے مخالف ہو خارج کرکے اکثر قواعد ضروری ترمیم کے بعد معاملات کی ترتیب اور تفہیم کے لیے مجرب ذرائع کے طور پر کام میں لائے جاسکتے ہیں۔ شرعی قانون کو بشکل دفعات مدوّن کرکے مجالس قانون ساز میں پیش کرنے میں مندرجہ ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں

(۱) اس طریقہ پر قانون سازی کی مختلف مدات پیدا ہوجائینگی مثلاً انتقال جائداد، قانون معاہدۂ داد و ستد، انتقالات نسبت مال منقولہ، وراثت، وقف، وصیت وغیرہ۔ اس میں ہر باب پر جُداگانہ مسوّدے ترتیب دینا لازم ہوگا اور چونکہ بعض مضامین خالص صوبجاتی ہیں اور بعض خالص مرکزی لہٰذا اس کوشش کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جائیگا اور صوبجات میں بعض ایسی مشکلات کا سامنا ہو جائیگا کہ بالآخر تھک کر بیٹھ رہنا ہوگا بلکہ شروع کرنے کی ہمت بھی نہ ہوسکیگی۔ جس قدر مسودات بڑھتے جائینگے اُسی قدر سابق قوانین کی جزوی تردید بھی لازم آئیگی اور اس کے لیے نہ برادران وطن تیار ہوسکتے ہیں نہ برطانوی نمائندے اس کو گوارا کرسکتے ہیں۔ اس کھیڑے کے ساتھ صوبجات میں ایک جدید محکمۂ دارالقضاء کے قیام کا مطالبہ سمند ناز پر ایک اور تازیانہ کا کام دیگا اور ہرگز منظور نہ ہوسکیگا۔

(۲) چونکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بموجب مسودۂ قانون کا انگریزی زبان میں پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونا ضروری ہے اس لیے شرعی قانون کی دفعات کو بھی انگریزی میں ترجمہ کرنا پڑیگا۔ اول تو دفعات کا قائم کرنا تفصیل سے اجمال کی طرف آنا ہے جو کوئی آسان کام نہیں ہے، پھر مجمل دفعات اگر منظور ہو جائیں تو اُس پر مبصرین اور نقاد اپنی شروح لکھ کر شائع کرینگے۔ یہ شروح دفعات کے الفاظ سے وابستہ ہونگی شرعی تفصیل سے ان کو کوئی سروکار نہ ہوگا پھر اُس پر مختلف ججوں کی آرا نظائر کی شکل میں رائج ہونگی اور اس تسلسل کے دوران میں ہم شریعتِ مطہرہ سے روز بروز دور ہوتے جائینگے اور آخر میں نتیجہ سوائے گمراہی کے کچھ نہ ہوگا۔ دراصل یہ بھی اسلام کے لیے موجب سُبکی و اہانت ہے کہ انگریزی زبان میں کوئی نفاتی مسودہ نافذ الوقت شرعی قانون کی حیثیت سے دیکھا جائے اور اُس کے مضامین کے سامنے کسی کو قرآن و حدیث اور اُن کے فقہی تفصیلات اور علماء کے فروعی اور اصولی مباحث کے مطالعہ کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

(۳) شرعی قانون کو بہ دفعات پیش کرنے میں ترمیمات کا خطرناک دروازہ اس طور سے کھُل جائیگا کہ اُس کی بندش حامیانِ اسلام کے قابو سے باہر ہوگی۔ اوّل تو غیر مسلم ممبران اسمبلی کو شرعی قانون کے جزئیات پر نکتہ چینی کرنے کا موقع ملیگا اگرچہ وہ ملکی یا سیاسی حیثیت سے ہی ہو اور دوئیم یہ کہ مسٹر کاظمی کے بل کا تلخ تجربہ ہنوز ہمارے سامنے ہے۔ سلکٹ کمیٹی نے بے دردی سے اُس بل کے حلقوم پر اپنے کھوٹے اُسترے کو رکھ دیا۔ صرف ایک دفعہ کے خارج ہونے سے بل کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا، حالانکہ کہنے کو معمولی ترمیم ہے۔ اگر اسی طرح جا بجا یا کسی جگہ ترمیمات داخل ہوگئیں تو ناقص مسودے شرعی قانون کے نام سے ملک میں رائج ہو جائینگے، خود بعض مسلمانوں میں لامذہبی کا اثر پایا جاتا ہے۔ ایسے اشخاص کا بعض جزئیات میں رخنہ اندازی کے درپے ہونا بعید از قیاس نہیں ہے اُدھر شریعت کے اصول اس قدر نفیس و نازک ہیں کہ وہ کسی چھیڑ چھاڑ کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرعی قانون کو دانا دشمن یا نادان دوستوں کے ہاتھوں میں دے دینا سراسر غلطی ہے، بلکہ اُس کو مستند کتابوں کے حوالہ کر دینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کافی اور مناسب ہے۔

(۴) شرعی قانون دفعات کی شکل میں منتقل ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا نہ مسلمانوں کا "پرسنل لا" دماغی اختراعات اور ذہنی ترتیب کا کبھی مرہون منت رہا ہے۔ کیونکہ اُس کا تعلق اُن الفاظ کے ساتھ ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے وحی الٰہی کے درجہ میں ہیں۔ مجتہدین کی آرا اور فقہا، کی تشریحات نے اس کو اجمال سے بسط کی صورت میں ضرور پیش کیا ہے، مگر بہت سی قیود اور پابندیوں کے ساتھ۔ اجتہاد کی روشنی میں دو ایک قدم اُٹھانے کی جو وُسعت حاصل تھی فی زمانہ وہ بھی معدوم ہے۔ البتہ فہم قانون کا جو دائرہ ہے اُس کی وسعت سے اب بھی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے مگر شریعت مقدسہ کو دفعاتی شکل میں مدون کر کے جاری کرنے میں کسی فرد یا جماعت کی فہم کو اصل قانون کی جگہ دے دینا ہے جس کا مآل صحیح ترتیب کے بجائے ترمیم شریعت ہوگا اور دیگر اقوام کی نظر میں شرعی قانون کی وہی حیثیت ہو جائیگی جو غیر اسلامی دنیوی قوانین کی ہے اور کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ ہمارا قانون آسمانی ہے محض لفظی رہ جائیگا۔

(۵) فقہ جس کو شرعی قانون کی مستند شرح کہا جا سکتا ہے بہت سے ایسے مختلف اقوال اور فتاویٰ پر مشتمل ہے جس سے عندالضرورت فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ اگر مختلف اقوال یا غیر مفتیٰ بہ اقوال سے کلیۃً قطع نظر کرلی جائے اور کوئی راستہ دفعاتی شکل میں وضع کرلیا جائے تو پھر اُن توسعات سے استفادہ کا دروازہ اگر بند نہیں تو تنگ ضرور ہو جائیگا جس کا اس زمانہ میں کشادہ رہنا ازبس ضروری ہے

دارالقضاء کی مناسبت سے شریعت بل اور خلع بل میں ترمیم

صوبائی دارالقضاء کے قیام کے سلسلہ میں چونکہ جدید اختیارات مخصوص قواعد کے ماتحت نافذ کرنا ضروری ہونگے اور وہ اختیارات بلا شرکت غیرے اسلامی قضات کو دیدیتے ہیں اس لیے شریعت ایکٹ میں سے دفعہ ۵ کو خارج کر دینا نیز مسٹر کاظمی کے بل میں سے اس کے مناقض امور کو منسوخ کر دینا بھی ضروری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا، چونکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۱۰۷ کے بموجب مشترکہ عنوانات میں بھی جہاں کوئی قانون مرکز میں وضع ہوچکا ہے اُس کے منافی کوئی شرط کسی صوبائی قانون میں مندرج نہیں کیجا سکتی مثلاً شریعت بل کے بموجب منکوحہ عورتوں کو شرعی وجوہات کی بناء پر ڈسٹرکٹ جج کے یہاں انفساخ کی درخواست دینے کا استحقاق عطا کیا گیا ہے مگر دارالقضاء ایکٹ میں یہ اختیارات بالتصریح ڈسٹرکٹ جج سے سلب کرکے قضات کو تفویض کرنا لازم ہے ورنہ چالاک اور بے باک لوگ کسی شرعی پابندی سے گریز کرنے کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کرنے پر راغب ہونگے مگر قانونی حیثیت سے دارالقضاء ایکٹ میں غیر مشترک اختیارات کا داخل کرنا شریعت بل کے منافی متصور ہوکر کالعدم ہوجائیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی مساوی یا متضاد اختیارات مسٹر کاظمی کے بل میں پائے جائینگے تو اُن کو بھی بذریعہ ترمیم کے خارج کرادینا ضروری ہوگا۔ یہ دقت صوبۂ بہار کے ساہوکارا ایکٹ کی بعض دفعات کی بابت محسوس کی جاچکی ہے جیسا کہ ایک مقدمہ کی تجویز کے دوران میں پٹنہ ہائی کورٹ نے اس ایکٹ کے متعدد دفعات کو اس بناء پر کالعدم و بے اثر قرار دے دیا کہ وہ ضابطہ دیوانی اور دیگر مرکزی قوانین کے مناقض ہے۔ بالآخر یہ مسئلہ فیڈرل کورٹ میں زیر بحث آئیگا۔

(باقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی نظامِ تمدن میں عورت کا حقیقی درجہ

از جناب قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی (فاضل دیوبند)

خداوندِ عالم نے دنیا کے نظام کو اتحاد و اتفاق اور تعاون و تعاضد کے ساتھ چلانے کے لیے مرد اور عورت کا جوڑا پیدا کیا۔ مرد طاقت جسمانی، قوت عقلی، ہوش و خرد اور فہم و تدبیر کے لحاظ سے عورت پر فائق ہے۔ اس لیے جب تقسیم کار کے اصول کے مطابق فرائض انسانی کی تقسیم ہونے لگی تو اقتضائے فطرت کے مطابق، دشمنوں کی مدافعت، ملک کی حفاظت، انتظام حکومت اور اکتساب معاش جیسے محنت طلب کام مرد کے حصّہ میں آئے اور مرد کی دلجوئی و دلداری، اولاد کی پرورش، خانہ داری کا انتظام جیسے آسان کام عورت کے سپرد کیے گئے۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا — یہ اللہ کا طریقہ ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا
لا تبدیل لفطرۃ اللہ — کیا ہے، اللہ کے طریقہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

یہ ایک صاف اور سادہ فطری قانون تھا، مگر اس عجائب خانۂ عالم میں کبھی کبھی اس قانون کی مخالفت کی بھی کوشش کی گئی ہے، اور عورت کی معاشرتی حیثیت کے متعلق بعض اوقات بڑی افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے۔

زمانہ قدیم کی تفریط

زمانہ بعثت سے قبل کی دنیا کی تاریخ پر ذرا ایک طائرانہ نظر ڈال جائیے۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اس زمانہ میں عورت کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا، اور اس کی گردن طرح طرح کے وحشیانہ مظالم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے گرا نبار تھی۔

عرب کے بت پرستوں میں عورت زندہ درگور کی جاتی اور مال منقولہ کی طرح ورثہ میں تقسیم کیجاتی تھی۔ عرب کا ایک جاہلی شاعر کہتا ہے :۔

تھوی حیاتی واھوی موتھا شفقاً والموت اکرم نزال علی الحرم

(میری بیٹی میری زندگی چاہتی ہے اور میں اس کی خیرخواہی کی وجہ سے اُس کی موت چاہتا ہوں اور واقعہ یہ ہے کہ موت عورتوں کے لیے بہترین مہمان ہے)

ایران میں عورت قوم کی مشترک جائداد تھی، ہر فرد کو عورت سے استفادہ کا حق حاصل تھا حتیٰ کہ رعایا کا ایک معمولی فرد شہنشاہ وقت کی بیگم سے علانیہ اظہارِ عشق کرسکتا تھا۔ جیساکہ شیریں وفرہاد کے شہرۂ آفاق افسانۂ عشق سے ظاہر ہے۔ ہندوستان میں عورت جوؤں میں ہاری جاتی، مندروں میں قربانی کا جانور بناکر چڑھائی جاتی اور شوہروں کے ساتھ زندہ جلائی جاتی تھی۔ کوروں اور پانڈوں کی تاریخی قمار بازی اور "ستی" و "داسی" کی رسمیں اس حقیقت کی شاہد ہیں۔ یورپ میں عورت کی حیثیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ۵۸۶ء میں فرانس میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کا مبحث یہ تھا کہ "عورت انسان ہے یا نہیں"[1]

عہد حاضر کی افراط

اس میں کوئی شک نہیں کہ صنف نازک اشرف المخلوقات ہی کی ایک صنف ہے اور مرد ہی کی طرح، بلکہ اس سے بہتر مصور قدرت کا ایک حسین شاہکار لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ باہمہ عزت وحرمت، وہ جسمانی وعقلی قویٰ کے اعتبار سے مرد سے مختلف ہے۔

ملاحظہ ہوں آرائے مندرجہ ذیل :۔

(۱) تجربہ ومشاہدہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ مرد اور عورت میں جسمانی اور عقلی اعتبار سے حسب ذیل فرق ہے۔ عورت کے قد کی لمبائی کا اوسط مرد کے قد کی لمبائی کے اوسط سے ۱۲ سینٹی میٹر کم

[1] محمد المثل الکامل

© rasailojaraid.com